مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

بچت اور سرمایہ کاری کا اسلامی نظریہ

حامیانِ سود کی طرف سے بڑے شدّ و مد سے یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ سود ہی کی کشش کی وجہ سے لوگ بچت کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر بنکوں کا سود ختم کر دیا جائے تو لوگ بچت کرنا چھوڑ دیں گے اور اس طرح قومی معیشت متاثر ہوگی۔

اس اعتراض پر تین پہلوؤں سے غور کیا جا سکتا ہے:

ا : کیا فی الواقع بچتوں کا محرک صرف سود ہی ہے؟

ب : کیا انفرادی بچتیں قومی بچت کو متاثر کرتی ہیں؟

ج : اسلامی نظامِ حیات میں بچتوں پر کیا اثر پڑے گا؟

بچت اور سود

ہمارے خیال میں یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ لوگ محض سود کی کشش کی وجہ سے بچت کے عادی ہوتے ہیں۔ بچت کے اور بھی بہت سے محرکات ہیں جو سود سے قوی تر ہیں۔ جدید ماہرینِ معاشیات اس پر متفق ہیں کہ بچت کے بہت سے دیگر عوامل میں سے ایک سود بھی ہے۔ مشہور برطانوی معیشت دان لارڈ کینز (J. M. Keynes) نے اپنی کتاب "روزگار، سود اور زر کا عام نظریہ"[۵۱] میں بچت کے داخلی محرکات کا ذکر کرتے ہوئے آٹھ باتوں کا ذکر کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اتفاقی حوادث کے لیے پیش بندی

۲۔ مستقبل میں متوقع اخراجات، لڑکوں کی تعلیم اور شادیوں کے اخراجات

۳۔ بڑھاپے میں قوتِ کار کم ہو جانے کی وجہ سے آمدن کا محدود ہونا۔

۴۔ احتیاج سے آزادی چاہنا۔

---

۵۱ The general Theory of employment, Interest and Money — P 107, MacMillan London.

۵۔ معیارِ زندگی میں اضافے کے خیال سے بچت کرنا۔

۶۔ کاروبار کے لیے کچھ سرمایہ بچا کر رکھنا یا ورثا کے لیے ترکہ چھوڑنے کی خواہش۔

۷۔ طبعی کنجوسی کے سبب پس انداز کرنا

۸۔ سود، بچت میں مزید اضافہ حاصل کرنے کے لیے۔

گویا لارڈ موصوف نے سود کو بچت کے عوامل میں آٹھویں نمبر پر شمار کیا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ بچت میں مزید اضافے کا محرک کوئی بھی متوقع آمدنی ہو سکتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ سود ہی ہو۔

لارڈ موصوف کے بعد اس سلسلے میں مزید تحقیق کے نتیجے میں کئی اور محرکات بھی سامنے آئے ہیں، مثلاً سیاسی نظم و استحکام، صارفین کو قرض کی فراہمی، سابق معیارِ زندگی اور آمدنی میں اضافے کی رفتار وغیرہ وغیرہ۔ ایک ایسا مفروضہ، جسے وہ ماہرینِ فن بھی کچھ اہمیت نہیں دیتے جن کے ہاں سود "حرام" بھی نہیں ہے تو بھلا ہم ان حقائق کی روشنی میں اس مفروضے کو کیونکر درست تسلیم کر سکتے ہیں؟

انفرادی بچت اور قومی بچت

جب ہر شخص بچت پر آمادہ ہو جائے تو ظاہر ہے کہ عوام کی قوتِ خرید کم ہو جائے گی، اور جب اشیائے صرف کی خرید رُک جائے گی تو ملکی معیشت ایک دوسرے انداز سے متاثر ہونا شروع ہو جائے گی۔ جو لوگ اشیائے صرف پیدا کرتے ہیں، ان کی آمدنی اور اسی طرح بچت اس حد تک مسدود ہو جائے گی جس حد تک انفرادی بچتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچت کے متعلق لارڈ کینز موصوف کا یہی نظریہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"قومی بچت انفرادی بچت سے متاثر نہیں ہوتی، جب معاشرے کے چند لوگ بہت زیادہ بچت کرنے لگتے ہیں تو دوسروں کی قوتِ پس اندازی کم ہو جاتی ہے۔ قومی بچت تب ہی بڑھ سکتی ہے، جب قومی آمدنی میں اضافہ ہو۔ لہٰذا تمام تر توجہ پیداوار اور وسائلِ پیداوار بڑھانے پر مرکوز کرنی چاہیے"۔

اسلام اور نظریۂ بچت

اسلام نے اس مسئلے میں اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کفایت شعاری ایک اچھی صفت ہے۔ لیکن اگر بخل کی حد تک پہنچ جائے تو یہ ایک اخلاقی جرم ہے۔ اسلام ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ کفایت شعاری سے بچت کی جائے اور جو کچھ پس انداز ہو، اگر ہو سکے تو یہ سب کچھ فقیر اور محتاج لوگوں کی ضروریات پر خرچ کر دیا جائے۔ بموجب ارشادِ باری تعالیٰ:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ - (۲ : ۲۱۹)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کیا کچھ خرچ کریں، آپ کہ دیجیے جو کچھ بس انداز ہو۔
ب ہی خرچ کر دو)

لیکن ایسا کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اس پر صرف اہل عزیمت اور متقی لوگ ہی عمل پیرا ہو سکتے ہ، کیونکہ انسان میں بچت کرنے کے بہت سے داخلی محرکات ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا خلاقِ فطرت انسان کی اس کمزوری کا لحاظ رکھا ہے اور اس بچی ہوئی رقم کا ایک قلیل حصہ — یعنی ۲½ فیصد — اللہ کی ہ میں فقرا و مساکین کی ضروریات پر خرچ کرنے کی پابندی عائد کی ہے۔ باقی ۳۹ حصے انسان بچا کر خود اپنے س بھی رکھ سکتا ہے، اور اسے مزید نفع آور کاموں یعنی تجارت وغیرہ میں بھی لگا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس رح انفرادی بچت میں تو معمولی سا فرق پڑ سکتا ہے، لیکن قومی بچت اس سے متاثر نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر اضح کیا گیا ہے۔

سود کے خاتمے کی صورت میں ہمارے اندازے کے مطابق بنک میں جمع ہونے والی رقوم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام میں آج بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو بنک کے سود کو حرام سمجھتا اور اس کے لین دین سے گریز کرتا ہے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو اپنی رقوم محض اس لیے چالو رکھتے ہیں کہ انھیں سود لینے سے نفرت ہے۔ غیر سودی نظام میں ایسی تمام رقوم چالو کھاتہ (Current Account) سے نکل کر کاروبارِ مضاربت یا شراکت کے لیے بچت کھاتوں میں چلی جائیں گی اور چالو کھاتے میں کمی واقع ہو جائے گی۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سرے سے بنک میں رقوم "برائے حفاظت" رکھوانے کے بھی روادار نہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ آخر بنک ہماری رقوم سے سودی کاروبار کیوں کرے، فائدہ تو بنک اٹھا جائے اور اس کاروبار میں حصہ ہمارا بھی ہو۔ بموجب ارشادِ باری تعالیٰ:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۳ : ۸۵)

اور کسی گناہ یا زیادتی کے کام میں مت تعاون کرو۔

وہ اس چیز سے بھی پرہیز کرتے ہیں، لہٰذا وہ اپنی رقوم کی حفاظت کا انتظام گھر پر یا دوسرے ذرائع سے کر لیتے ہیں۔ غیر سودی نظام میں یہ تمام رقوم گھروں سے نکل کر بنکوں میں چلی جائیں گی اور چالو کھاتے کی رسد برقرار رہے گی۔ مالدار طبقہ اپنی رقوم کا ایک حصہ گھر پر رکھتا ہے تاکہ حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بچا

سکے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں نظامِ زکوٰۃ رائج ہوتا ہے، لہٰذا ان لوگوں کو ایسی رقوم گھر پر رکھنے کا چنداں فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ زکوٰۃ ایک اہم فریضہ، مالی عبادت اور اللہ کا مسلمانوں پر حق ہے، جس سے ایک مسلمان کے لیے کوئی مفر نہیں ہے۔ لہٰذا گھروں میں محفوظ ایسی تمام رقوم بھی بنکوں کے حوالے کر دی جائیں گی۔ اندریں حالات غالب گمان یہی ہے کہ بنکوں میں سرمایہ کی فراہمی کم ہونے کی بجائے بڑھ جائے گی۔

سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی

سود کا سب سے بڑا فائدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے ملک کی صنعت و تجارت کو "حیات بخش خون" (سرمایہ) مہیا ہوتا ہے۔ سود کے لالچ کی بنا پر ہی بنک سرمایہ فراہم کرتے ہیں، جس سے ملکی پیداوار اور قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے، روزگار عام ہوتا ہے اور خوشحالی بڑھتی ہے۔ اگر سود ختم کر دیا جائے تو ملک کی اقتصادی ترقی کی رفتار رک جائے گی۔

اسلام نے نفع آور اغراض کے لیے تجارت کی راہ دکھلائی ہے، جس کی تفصیلات ہم نے کسی دوسرے موقع پر پیش کر دی ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ بنک کون کون سے طریقوں پر عمل کر کے تجارت میں خسارے کے احتمالات سے بچ سکتا ہے۔ نیز یہ کہ تجارت کی صورت میں بمقابلہ سود نفع کے امکانات زیادہ ہیں اور غیر سودی معیشت میں بھی ملکی صنعت و تجارت کو حیات بخش خون مہیا کیا جا سکتا ہے۔

بلاشبہ تجارتی بنیادوں پر سرمایہ دار کی خدمت کرنے سے سودی نظام سے کہیں بہتر نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ و محنت کے اشتراکِ عمل سے کاروباری مزاحمت کم ہوگی لہٰذا گرانی بھی کم ہوگی، کساد بازاری کا رجحان بھی ختم ہوگا، قومی آمدنی بھی بڑھے گی، فی کس آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا۔ تھوڑے بہت لوگوں کو ـــ حسب ضرورت سرمایہ دار ـــ روزگار بھی میسر آئے گا، مگر غریبوں کے مسائل پوری طرح حل نہ ہو سکیں گے، گردشِ زر کا دائرہ محدود ہی رہے گا۔ لہٰذا مملکت پوری طرح فلاحی مملکت نہ بن سکے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نے سرمایہ کاری کے لیے وہی راہ اختیار کی ہے جو سرمایہ داری نظام کے لیے مختص اور سرمایہ دار ہی کی خدمت پر مامور ہے۔

سرمایہ کاری اور اسلام

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ کاری کا میدان، تاجر، زمیندار اور صنعت کار ہے۔ عوام کی بچتیں انہی حضرات کے سامنے لا کر ڈھیر کی جاتی ہیں تاکہ وہ اور بھی پھلیں پھولیں۔ اس کے برعکس اسلام میں سرمایہ کاری کا میدان غریب طبقہ ہے۔ امراء سے ان کی بچتوں کا ایک حصہ وصول کر کے ان کی خدمت کی جاتی ہے علاوہ ازیں

امرا کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی ہر وقت اس غریب طبقے کا خیال رکھیں۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ غریب طبقے کی خدمت سے سرمایہ کاری کیونکر ہوتی ہے۔

فرض کیجیے کہ کسی مخصوص معاشرے میں، بچت کا میلان $\frac{1}{3}$ ہے، بالفاظِ دیگر ایک عام آدمی کی ماہوار آمدنی ۳۰۰ روپے ہے، جس میں سے وہ ۲۰۰ روپے اشیائے ضرورت پر صرف کرتا ہے اور ۱۰۰ روپے ماہوار بچاتا ہے۔ علمِ معاشیات کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ایک کا خرچ دوسرے کی آمدنی ہوتی ہے۔ یعنی جس شخص نے ۳۰۰ روپے کماتے ہیں تو یہ دوسرے لوگوں کا خرچ ہے، اور یہ جو ۲۰۰ روپے اپنی اشیائے ضرورت پر خرچ کرے گا تو یہ دوسروں کی آمدنی ہے۔ مثلاً زید بازار میں جا کر ۱۰ روپے کا گوشت خریدتا ہے۔ ۵ روپے کی ڈاکٹر سے دوا لاتا ہے۔ ۳ روپے میں حجام سے حجامت بنواتا ہے، تو زید کا یہ ۱۸ روپے کا خرچ قصاب، ڈاکٹر اور حجام کی آمدنی ہے۔ اب دیکھیے ایک شخص نے ایک ہزار روپیہ تنخواہ پائی۔ تو یہ آدمی اس مخصوص میلان بچت کے تحت ۶۶۶ روپے تو خرچ کر دے گا اور ۳۳۳ روپے بچا لے گا۔ اس کا ۶۶۶ کا خرچ دوسروں کی آمدنی ہے۔ اب یہ دوسرے لوگ بھی ۶۶۶ روپے دبا کر نہیں بیٹھ جائیں گے۔ بلکہ اس میں سے ۴۴۴ روپے خرچ کر دیں گے جو دوسروں کی آمدنی ہوگی۔ اس طرح قومی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ ایک ہزار روپیہ کا خرچ کئی مراحل[۵۲] کے بعد قومی آمدنی میں تین ہزار روپے کے اضافے کا سبب بنے گا، اور یہ خرچ یا قومی آمدنی میں اضافہ بالآخر ان لوگوں کی جیب میں چلا جائے گا جو اشیائے صرف پیدا کرتے ہیں۔

اب اگر معاشرہ اپنی بچت $\frac{1}{3}$ میں سے آدھا زکوٰۃ و خیرات کے ذریعہ غربا میں تقسیم کر دے۔ یعنی میلانِ صَرف $\frac{5}{6}$ ہو جائے اور میلانِ بچت $\frac{1}{6}$ رہ جائے تو اتنے ہی مراحل گزرنے کے بعد قومی آمدنی میں ۶۰۰۰ روپے کا اضافہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر میلانِ صَرف بڑھ کر $\frac{9}{10}$ ہو جائے اور میلانِ بچت اور بھی کم یعنی $\frac{1}{10}$ رہ جائے تو اتنے ہی مراحل گزرنے کے بعد قومی آمدنی میں ۱۰۰۰۰ روپے کا ہوگا۔ یہ اضافہ سب اشیائے صَرف پیدا کرنے والے یعنی امیر طبقے کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔ ان مراحل کو نقشے کے ذریعے یوں واضح کیا جا سکتا ہے۔

---

۵۲ قومی آمدنی میں اضافے کی یہ رفتار علم معاشیات "اصول ضارب" (Principle Multip - Mean) سے واضح کی جاتی ہے۔

	میلانِ بچت ⅓ کے بعد	میلانِ بچت ⅙ کے بعد	میلانِ بچت ۱/۱۰ کے بعد
	صرف دولت یا قومی آمدنی میں اضافہ	" " " "	" " " " "
لا مرحلہ	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰
سرا مرحلہ	۶۶۶	۸۳۳	۹۰۰
را مرحلہ	۴۴۴	۶۹۴	۸۱۰
تھا مرحلہ	۲۹۶	۵۷۸	۷۲۹
واں مرحلہ	۱۹۷	۴۸۱	۶۵۷
	---	---	---
	---	---	---
	---	---	---
	---	---	---
ری مرحلہ	۳۰۰۰	۶۰۰۰	۱۰،۰۰۰

یہ رقم جو خرچ کے باعث قومی پیداوار میں مزید اضافے کا سبب بنی ہے۔ یعنی دوسری صورت میں پہلی سے
ید ۳۰۰۰ روپے کا اضافہ اور تیسری صورت میں مزید ۷۰۰۰ روپے کا اضافہ یہ سب کچھ اشیائے صرف
رنے والے طبقے یعنی سرمایہ دار کے پاس پہنچ جائے گا اور یہ اس کا حقیقی اور ذاتی سرمایہ ہوگا، جس کے لیے
کسی بنک کے پاس قرض لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ سرمایہ دار کی رہی سہی ضرورت بنک اپنے ذاتی
یہ سے پوری کر دیں گے اور بنکوں کو بھی کارخانہ داروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے عوام سے بچتیں اکٹھی
نے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، جس کے لیے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

نقشہ بالا میں دوسرے مرحلے پر دوسری صورت میں ۱۶۷ روپے پہلی صورت سے زائد
اور تیسری صورت میں ۲۳۴ " " " " دکھلائے گئے ہیں۔

یا اتنی رقم مزید غریب طبقے میں سرمایہ کاری ہوتی ہے۔ اگر اتنی ہی رقم بنک کی معرفت سرمایہ کاری میں صرف
ن تو بھی اتنا اضافہ پیدا نہ کر سکتی تھی۔

رہا یہ سوال کہ یہ مراحل کتنی مدت میں طے ہوتے ہیں؟ تو اس کا انحصار دو باتوں پر ہے:

(۱) دولت کی گردش کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ اگر دولت صرف متوسط اور امیر طبقے میں ہی گردش کرتی

رہے تو یہ دائرہ بہت محدود ہوگا، کیونکہ غریب طبقے کی تعداد زیادہ ہے۔ اور اگر یہ گردش غریب طبقے تک بھی پہنچ گئی تو دائرہ گردش زرد گنے سے بھی زیادہ وسیع ہو جائے گا۔

(۲) جس طبقے میں دولت خرچ ہو رہی ہے یا کی جا رہی ہے اس کی ضرورت کتنی شدید ہے۔ جتنی یہ ضرورت شدید ہوگی اتنی ہی دولت تیزی سے گردش کرے گی۔ اگر کسی غریب آدمی کو ایک سو روپیہ مل جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اسے ایک آدھ دن میں خرچ کر دے، کیونکہ اس نے اپنی ضروریات پیسے کی کمی کی وجہ سے عرصے سے روک رکھی تھیں، اور اگر یہی ۱۰۰ روپے کی رقم ایک امیر آدمی کو مل جائے تو عین ممکن ہے کہ یہ رقم کئی ماہ اس کے گھر پر یا بنک میں پڑی رہے کیونکہ اس کی ضروریات پہلے ہی پوری ہو رہی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام معیشت میں صدقات وخیرات کے ذریعے دولت کی گردش کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور یہی حقیقی سرمایہ کاری ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امیر طبقہ اپنا ہی ذاتی خرچ بڑھا کر بچت کم کر دے تو کیا نظریاتی طور پر وہی نتائج برآمد ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے ہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بچت کو غریبوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نظریاتی طور پر تو وہی نتائج پیدا ہونے چاہئیں۔ لیکن ان مراحل کی رفتار اتنی دھیمی ہوگی جسے معاشرہ محسوس تک بھی نہ کرسکے گا۔ میدانِ صرف کی تنگی اور عدم ضرورت کی وجہ سے متوقع نتائج برآمد نہ ہوسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں اسراف کو اخلاقی جرم قرار دیا ہے اور إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ کہہ کر فضول خرچی یا اپنی ذات پر ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے، وہاں میدانِ صرف کو تنگ رکھنے سے بھی منع فرما دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (۵۹ : ۵)

ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے امراء میں ہی گردش کرتی رہے۔